رفاہی ریاست کے قیام میں فقہ حنفی کا کردار

محمد اکرم ورک *

آج دنیا کی ہر قوم اپنے دروازے اور کھڑکیاں دوسری قوموں کے لئے کھول دینے پر مجبور ہے، آج کا دور محدودیت کا دور نہیں ہے۔ آج ''عرفِ عام'' سے مراد عالمی عرف ہے اور آج کے معروضی حالات میں اب کسی بھی فیصلے اور اس کے اثرات کو مقید رکھنا ممکن نہیں ہے۔ انسانی سوسائٹی ارتقاء کی منازل طے کرتے ہوئے اس مقام پر آ گئی ہے جہاں فردِ واحد کی بجائے پوری قوم اور کسی مخصوص قوم کی بجائے پوری انسانیت کے اجتماعی مفاد کو عزیز رکھے جانے رجحان کا پیدا ہوا ہے۔ گلوبلائزیشن کے اس دور میں کسی بھی طرح کے امتیازی قوانین کی کوئی گنجائش باقی نہیں بچی۔ اس لئے دورِ حاضر کے اربابِ فکر و دانش کا فرض ہے کہ وہ فقہ حنفی میں عرفِ عام، استحسان، مصالح مرسلہ، استصحابِ حال وغیرہ جیسے اصولوں کو آج کے معروضی حالات میں اس انداز میں استعمال کریں کہ نہ صرف فقہ حنفی کی آفاقیت ثابت ہو جائے بلکہ شریعتِ اسلامیہ کی اصل روح بھی سامنے آ جائے۔

''رفاہی ریاست کے قیام میں فقہ حنفی کا کردار'' ایک ایسا علمی موضوع ہے جس کی بہت سی جہتیں توجہ کے قابل ہیں۔ موضوع پر براہ راست گفتگو کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ رفاہی ریاست کے تصور پر مختصر گفتگو کر لی جائے۔ عصرِ حاضر میں رفاہی ریاست (Welfare State) کے جس تصور سے ہم آگاہ ہیں اس کے تانے مغربی فکر و فلسفہ سے ملے ہوئے ہیں اور ہمیں یہ اعتراف کرنا چاہیے کہ آج ہمیں اس کی عملی صورت صرف مغرب ہی میں نظر آتی ہے، تاہم اس حقیقت سے تاریخ کا ہر طالبِ علم آگاہ ہے کہ مغرب رفاہی ریاست کے جس تصور سے آج آگاہ ہوا ہے اس کی مکمل شکل اور عملی مثال ریاستِ مدینہ کی صورت میں چودہ صدیاں پہلے پیش کی جا چکی ہے، جس کے اولین سربراہ رسول اکرم ﷺ تھے اور پھر خلافت راشدہ کے دور میں اس ریاست نے ادارہ جاتی تکمیل اور تنظیم کی ساری منازل طے کر لیں۔

اسلام کی تہذیبی خدمات میں ایک نمایاں خدمت انسانیت کی فلاح و بہبود کے کام کو مذہبی عبادت کا درجہ

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، سیٹلائٹ ٹاؤن، گوجرانوالہ، پاکستان۔

دینا ہے۔ یہ اعزاز بھی صرف اسلامی شریعت کو حاصل ہے کہ اس نے خالص روحانی کوتاہیوں کے ازالہ کے لیے بھی محتاجوں اور مساکین کو کھانا کھلانے کے عمل کو کفارہ کی حیثیت دی ہے۔ اسلام کی نظر میں انسان تو پھر انسان ہے یہاں تو بھوکے جانوروں کو چارہ ڈال دینا اور پیاسے جانوروں کو پانی پلا دینا بھی آخرت میں کامیابی کا ذریعہ ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی مکی زندگی میں خدمتِ خلق اور رفاہِ عامہ کی جس ترغیب کی ہمیں عملی مثالیں نظر آتی ہیں، مدنی دور میں اس نے ایک معاشرتی، اور ادارتی حیثیت اختیار کر لی۔ اسلامی ریاست کے پورے ڈھانچے پر نظر دوڑائی جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس کی اوّلین ترجیح بلکہ ذمہ داری شہریوں کی فلاح و بہبود اور ان کی روزمرہ ضروریات کو پورا کرنا ہے۔ قرآن مجید نے اسلامی ریاست کے چار بنیادی اصولوں کا ذکر کیا ہے۔

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ (۱)

''یہ وہ لوگ ہیں جن کو اگر زمین میں حکومت دیں تو یہ نماز قائم کریں گے اور زکوۃ دیں گے۔ نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔''

غور کیا جائے تو نماز اسلام کے پورے روحانی نظام کی جڑ ہے اور زکوۃ سے نظامِ معاشرت کی بہبود اور بہتری وابستہ ہے۔ اسی وجہ سے مدنی ریاست میں اولین طور پر جس ادارے کو مستحکم کیا گیا وہ زکوۃ کا نظام ہے۔ زکوٰۃ اسلام کے نظامِ مالیات میں وہ سب سے بڑا ذریعہ ہے جس سے غرباء، مساکین، یتامیٰ اور معاشرے کے دوسرے پسے ہوئے طبقات کی فلاح و بہبود وابستہ ہے۔ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ (م ۱۳ھ) کے عہدِ خلافت میں جب کچھ لوگوں نے زکوٰۃ روک لینے کا عندیہ ظاہر کیا تو چونکہ اس عمل سے ریاست کی اتھارٹی کے علاوہ رفاہِ عامہ کے پورے نظام کے متاثر ہونے کا خطرہ تھا، اس لئے آپؓ نے ایسے لوگوں کے خلاف بلا جھجک اعلانِ جہاد فرمایا۔ خلافتِ راشدہ کے پورے دور کا بہترین تعارف یہی ہے کہ اس میں لوگوں کو بے لاگ عدل و انصاف میسر تھا اور پسے ہوئے طبقے کی آخری امید اسی نظام سے وابستہ تھی۔ مدنی ریاست ایک مکمل رفاہی ریاست تھی، جس نے خلافتِ راشدہ کے مختلف ادوار میں اپنے ارتقاء کی ساری منزلیں طے کر کے آنے والے دور کے لیے ایک رول ماڈل (Role Modle) کی حیثیت اختیار کر لی۔

خلافت راشدہ کے بعد بنوامیہ سے ملوکیت کے جس دور کا آغاز ہوا اس میں بہت جلد وہ تمام خرابیاں در آئیں جو مطلق العنان حکومتوں کا طرۂ امتیاز ہیں۔ بنوامیہ کے طرزِ حکمرانی نے عوامی سطح پر اس تاثر کو پختہ کیا کہ

حکومت کے جملہ اقدامات کا مقصد اپنے اقتدار کا تحفظ اور مخصوص طبقہ کے مفادات کی پاسداری ہے۔ اور حکومت کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ طبقۂ عوام سے زیادہ سے زیادہ ٹیکس جمع کر کے اپنی آمدنی میں اضافہ کرے۔ ہمارے سامنے اس طرزِ فکر کی بدترین اور انتہائی شکل یہ ہے کہ عہدِ بنی امیہ میں جب بعض علاقوں کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور وہ جزیہ کی ادائیگی سے بری الذمہ ہو گئے، اور نتیجے کے طور پر ان علاقوں کی آمدنی میں خاطر خواہ کمی ہوئی تو نومسلموں پر جزیہ عائد کرنے کا حکم جاری کر دیا گیا، بالآخر اس سلسلے کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ختم فرمایا۔ (۲)

امام ابوحنیفہؒ (۸۰۔۱۵۰ھ) نے ملوکیت کے اسی دور میں آنکھ کھولی جب بیت المال کی حیثیت حکمرانوں کے ذاتی خزانے کی تھی، حکومتی جبر کے نتیجے میں اظہارِ رائے کی آزادی ایک بھولی بسری داستان معلوم ہو رہی تھی اور عدلیہ جو لوگوں کی امیدوں کا آخری مرکز ہوا کرتی ہے، محض اربابِ بست و کشاد کے گھر کی لونڈی بن کر رہ گئی تھی۔ خلافتِ راشدہ کے دور میں لوگ رفاہی ریاست کے جس تصور سے متعارف ہوئے تھے وہ گہنا چکا تھا۔ امام ابوحنیفہؒ کو بنوامیہ کی حکمرانی کے آخری دور اور بنوعباس کی حکمرانی کے ابتدائی سالوں کا بھرپور تنقیدی جائزہ لینے کا موقع میسر آیا اور یہی آپ کے علمی شباب کا دور بھی ہے، جب تحصیلِ علم کے بعد آپؒ اپنے استاذ محترم حماد بن ابی سلیمانؒ (م ۱۲۰ھ) کے انتقال کے بعد مسندِ تدریس پر براجمان ہو چکے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نتائج فکر کا اصل سرچشمہ امام حماد بن ابی سلیمانؒ، علقمہ بن قیس النخعیؒ (م ۶۲ھ) اور ابراہیم النخعیؒ (م ۹۵ھ) کے واسطہ سے حضرت عمرؓ (م ۲۳ھ) حضرت علیؓ (م ۴۰ھ) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ (م ۳۲ھ) اور عبداللہ ابن عباسؓ (م ۶۸ھ) کے فتاویٰ اور اجتہادی افکار ہیں۔ یہ چاروں صحابہ فقہ حنفی کے ستون ہیں، امام ابوحنیفہؒ ان ہی اساطین علم کے علمی وارث ہیں۔ اسلامی ریاست کی اپنی اصل شکل میں بحالی کے لئے امام ابوحنیفہؒ عملی کوششوں کو اسی علمی اور فکری پس منظر میں دیکھا جانا چاہیے۔ رفاہی ریاست کے قیام میں امام ابوحنیفہؒ اور فقہ حنفی کے کردار اور خدمات کا جائزہ لینے کے لیے جو پہلو خاص طور پر توجہ کے متقاضی ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ امام ابوحنیفہؒ کا ذاتی کردار اور طرزِ عمل

۲۔ حنفی دستور کے اصول و مبادی

۳۔ حنفی قضاۃ کے عدالتی فیصلے اور فتاویٰ

عوامی فلاح و بہبود کا تصور جن ریاستی اداروں سے وابستہ ہے ان میں عدلیہ اور بیت المال خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ریاست کے بنیادی فرائض میں عدل و انصاف کی فراہمی اور محروم طبقات کی فلاح و بہبود سرِ فہرست

ہے، لیکن رفاہ اور فلاح کا کوئی بھی تصور حریّت فکر کا متبادل نہیں ،اس لئے امام ابو حنیفہؒ آزادیٔ اظہار رائے کے زبردست داعی تھے۔ امام ابوحنیفہ کے ذاتی کرداراور سیاسی وژن سے جوحقیقت نکھر کر سامنے آتی ہیں،وہ یہ ہے کہ چونکہ مدنی ریاست ہی ان کا رول ماڈل ہے اس لئے وہ اس سے کم پر کسی صورت راضی نہیں ہیں۔

ایک ایسے دور میں جب ابوجعفر منصور کو ملک میں مختلف بغاوتوں اورشورشوں کے واضح آثار نظر آرہے تھے اس نے اپنی حکومت کوشرعی اعتبار بخشنے کے لئے مدینہ سے امام مالکؒ اور ابن ابی ذئبؒ اورکوفہ سے امام ابوحنیفہؒ کو طلب کیا،لیکن امام ابوحنیفہؒ نے ہرطرح کے خطرات سے بے پرواہو کر ابوجعفر کوسمجھانا شروع کیا:

''دیکھو تم نے خلافت کی باگ اپنے ہاتھ میں اس وقت سنبھالی ہے جب مسلمانوں میں فتویٰ دینے کی اہلیت جن لوگوں میں ہے ان میں سے دو آدمی بھی تمہاری خلافت پر متفق نہیں ہوئے تھے اور تم جانتے ہو کہ خلافت ایک ایسا مسئلہ ہے جسے مسلمانوں کا اجماع ہی طے کرسکتا ہے، ان کے مشورے سے ہی خلیفہ منتخب ہوسکتا ہے۔حضرت ابو بکرؓ کی مثال تمہارے سامنے ہے، چھ مہینے تک انہوں نے اپنے آپ کو حکومت کرنے سے روکے رکھا جب تک کہ یمن کے مسلمانوں کی بیعت کی خبر ان تک نہ پہنچی۔'' (۳)

امام صاحبؒ کی نظر میں اگر خلیفہ کے چناؤ میں شوریٰ اوررائے عامہ کی آزادی کے اصول کو مدنظر نہ رکھا جاے تو وہ خلافت نہیں ملوکیت اور بادشاہت ہے،اور بادشاہت کبھی خرابیوں سے پاک نہیں ہوسکتی اوراس طرح کی حکومتوں میں بیت المال کا جو ناجائز استعمال ہوا ہے اس سے ہماری تاریخ بھری پڑی ہے، یہی وجہ ہے کہ امام صاحبؒ نے حکمرانوں کے تحائف اور ہدایا کوقبول کرنے سے ہمیشہ احتراز کیا۔ایک موقع پر جب ابوجعفر منصور نے امام کوزبردستی ھدیہ دینا چاہا تو آپؒ نے فرمایا:

''امیر المؤمنین اگر ذاتی مال سے مجھے کچھ دیتے ہو شاید میں قبول بھی کرلیتا،لیکن یہ جو کچھ آپ مجھے دے رہے ہیں، یہ تو مسلمانوں کے بیت المال کا روپیہ ہے جس کا میں اپنے آپ کوکسی صورت بھی مستحق نہیں پاتا، میں نہ بھوکا ننگا محتاج فقیر ہوں اگر یہ صورت ہوتی تو فقیروں کی مد سے شاید میرے لئے کچھ لے لینا جائز ہوتا،اور نہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جو مسلمانوں کی حفاظت کرتے ہوئے ان کے دشمنوں سے لڑتے ہیں اگر میرا تعلق فوجیوں سے ہوتا تو میں اس وقت بھی اس مد سے لے سکتا تھا جس مد سے سپاہیوں کوامداد ملتی ہے۔میرا تعلق جب نہ اس گروہ سے ہے اور نہ اس طبقے سے

تو آپ ہی انصاف کیجئے کہ اس رقم کو میں کس بنیاد پر لوں۔''(۴)

ابوجعفر امام صاحبؒ کے استدلال کا بھلا کیا جواب دے سکتا تھا، لیکن آپ نے بڑے حکیمانہ انداز میں خلیفہ کو آگاہ کیا کہ بیت المال کے صحیح مصارف کیا ہیں، اور وہ جس طرح کی غلط بخشیوں سے کام لے رہا ہے اس کا اسلامی ریاست کے سربراہ کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ بیت المال کو اپنی صوابدید سے خرچ کرے۔ بادشاہت کی یہی وہ خرابیاں ہیں جن کی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگر وسائل دستیاب ہوں اور کامیابی کی امید ہو تو ایسے غیر شرعی حکمران کے خلاف خروج فرض ہے۔ فقہ حنفی کے اصول کے مطابق شرعی حاکم کا تقرر اسلام کے اہم واجبات میں سے ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اسلامی ریاست کے قیام کی کوشش حج جیسی عبادت سے بھی افضل ہے۔(۵)

حنفی فقہ کی کتابوں میں ''کتاب القاضی'' کے نام سے ایک مستقل موضوع ہے۔ جس میں تفصیلی طور پر ان تمام چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کا تعلق حاکم شرعی کے حقوق وشرائط، تقرری و برخاستگی وغیرہ کے اصولوں سے ہے اور ان تمام اصولوں کی پاسداری سے ہی رفاہی ریاست کا تصور وابستہ ہے۔ اہل علم آگاہ ہیں کہ اس معاملے میں محدثین کی رائے میں امیر بالاستیلاء کی اطاعت بھی شرعی حاکم کی طرح لازم ہے، جبکہ امام صاحب کی رائے اس سے بالکل مختلف ہے۔(۶) یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ پہلے بنوامیہ کے خلاف امام حسینؓ کے پوتے زید بن علیؒ (م ۱۲۰ھ) کے حامی رہے اور بعدازاں بنی عباسی کے خلاف محمد نفس زکیہؒ (م ۱۴۵ھ) کے خروج کے موقع پر خود اس تحریک میں عملی طور پر شریک رہے۔(۷)

رفاہی ریاست کا ایک انتہائی اہم ستون آزاد عدلیہ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی زندگی میں دوسری قابل توجہ چیز یہ ہے کہ آپ عدلیہ کی اسی آزادانہ حیثیت کے زبردست داعی تھے جس کا مثالی نمونہ عہد نبوت اور خلافت راشدہ میں نظر آتا ہے۔ اس تحریک کی صحیح قدر و قیمت وہی شخص جان سکتا ہے جس کی اس دور کے عدالتی نظام پر گہری نظر ہو۔ یہ آپ کی ہمہ گیر تحریک کا نتیجہ ہی ہے کہ ایک ایسے وقت میں جب عدلیہ محض حکمرانوں کی من مانیوں کو جواز کے دلائل فراہم کرنے کا فریضہ ادا رہی تھی۔ آپؒ نے ایک مقنن کی حیثیت سے فقہ حنفی کی صورت میں امت کو ایسے اصول دیے جن کے بغیر معاشرتی استحکام، رائے عامہ کا اطمینان اور رفاہی ریاست کا تصور ممکن ہی نہیں، اور مزید یہ کہ آپؒ نے اپنے شاگردوں کی اس انداز میں تربیت فرمائی کہ عدالتی نظام کو چلانے کے لئے وہ حکمرانوں کی ضرورت بن گئے۔

کوفہ کے معروف قاضی ابن ابی لیلیٰ کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ علمی معرکوں کا اگر باریک بینی سے

جائزہ لیا جائے تو بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ ان علمی معرکہ آرائیوں سے امام صاحبؒ مقصود کسی عہدہ کا حصول یا ذاتی تشہیر نہ تھی بلکہ آپؒ اس طریقے سے حکومت کے پورے عدالتی نظام کو چیلنج کر رہے تھے۔ لوگوں میں پیدا ہونے والے جھگڑوں اور لڑائیوں کا درست فیصلہ ہی اصل حکومت ہے، اس لئے امام ابو حنیفہؒ عدلیہ پر تنقید کے ذریعے اربابِ اقتدار کو اس طرف متوجہ کر رہے تھے کہ جب تمہارا عدالتی نظام ہی لوگوں کو انصاف مہیا کرنے سے عاجز ہے تو تمہیں حکمرانی کا بھی کوئی حق نہیں ہے۔ صورتِ حال یہ تھی کہ ایک طرف عدلیہ ادارے کی حیثیت سے اپنی آزادانہ حیثیت کھو چکی تھی اور دوسری طرف مختلف شہروں میں قضاۃ ایک ہی طرح کے مقدمات میں بالکل متضاد فیصلے کر رہے تھے۔

آزادیٔ اظہارِ رائے پر پابندی، محکوم عدلیہ اور بیت المال کا ناجائز استعمال وہ بنیادی وجوہ ہیں جن کی بنا پر امام ابو حنیفہؒ بنوامیہ کی طرح بنوعباس کی خلافت کو بھی شرعی خلافت نہیں سمجھتے تھے۔ امام صاحبؒ چونکہ بنوامیہ کی طرح بنوعباس کے خلاف بھی برسرِ پیکار رہے تھے، اس لیے عباسی خلفاء نے بھی فقہ حنفی کو نظر انداز کرنے کی حتی المقدور کوشش کی۔ ابو جعفر منصور (۱۳۶۔۱۵۸ھ) اور ہارون الرشید (۱۷۰۔۱۹۳ھ) وغیرہ نے امام ابو حنیفہؒ کی فکر کے بالمقابل امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ) کو کھڑا کرنے کی بہت کوشش کی، لیکن امام مالکؒ نے حکومتی سرپرستی میں اپنی رائے کے نفاذ کو پسند نہ فرمایا۔ (۸) ہارون الرشید نے مدینہ کے عظیم فقیہ حضرت سفیان بن عیینہؒ (م ۱۹۸ھ) کی تمام کتب بھی بغداد منگوا کر چاہا کہ ان کے علوم پر سلطنت کے انتظام و انصرام کی بنیاد رکھی جائے، لیکن مقصد پورا نہ ہوا۔ امام ابو حنیفہؒ نے جس عرق ریزی سے مصلحتِ عامہ پر مبنی فقہی اصول مرتب کیے تھے اور حنفی فقہ نے جس طرح عوام و خواص میں مقبولیت حاصل کر لی تھی، اس کی وجہ سے عباسی خلفاء کے پاس بجز فقہ حنفی کے کوئی دوسرا متبادل نہ تھا۔ حالات کا یہی وہ رخ تھا جس کو دیکھتے ہوئے امام ابو حنیفہؒ نے اپنے تربیت یافتہ تقریباً ایک ہزار تلامذہ کو خصوصی دعوت پر کوفہ کی جامع مسجد میں طلب کیا اور ان کے سامنے ایک تاریخی خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

> ''میں فقہ (اسلامی قانون) کی زین تم لوگوں کے لیے کس کر تیار کر چکا ہوں۔ اس کے منہ پر تمہارے لیے لگام بھی چڑھا چکا ہوں۔ اب تمہارا جس وقت جی چاہے اس پر سوار ہو سکتے ہو، میں نے ایک ایسا حال پیدا کر دیا ہے کہ لوگ تمہارے نقش قدم کی جستجو کریں گے اور اسی پر چلیں گے۔ تمہارے ایک ایک لفظ کو لوگ تلاش کریں گے۔ میں نے گردنوں کو تمہارے لیے جھکا دیا اور ہموار کر دیا ہے۔''

پھر آپؒ نے اپنے خاص چالیس شاگردوں کو خصوصیت کے ساتھ متوجہ کرتے ہوئے فرمایا:

''اب وقت آ گیا ہے کہ آپ لوگ میری مدد کریں گے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم (چالیس) میں ہر ایک عہدہ قضاء کی ذمہ داریوں کے سنبھالنے کی پوری صلاحیت اپنے اندر پیدا کر چکا ہے اور دس آدمی تو تم میں ایسے ہیں جو صرف قاضی ہی نہیں بلکہ قاضیوں کی تربیت و تادیب کا کام بخوبی انجام دے سکتے ہیں'' (۹)

اگر چہ امام ابو حنیفہؒ بنی عباس کے اندازِ حکمرانی کے سخت خلاف تھے، اس لیے اپنی ذات کی حد تک آپؒ نے ان حکومتوں میں کسی بھی طرح کا عہدہ قبول کرنے سے انکار کیا، تاہم آپ دستیاب مواقع کو ضائع کرنے کے حق میں بھی نہ تھے۔ آپؒ کی اس حکمتِ عملی کے نتائج بھی بہت جلد سامنے آنا شروع ہو گئے۔ آپؒ کی ذاتی قربانی آپؒ کے شاگردوں کے لئے تابندہ مثال بن گئی۔ ایک وقت وہ تھا جب قاضی شریکؒ کو صرف اس لئے عہدہ قضاء سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے کہ انہوں نے خلیفہ کی ایک لونڈی کے خلاف فیصلہ سنایا تھا، (۱۰) اور اب وہ وقت ہے کہ ایک قاضی بے خوف و خطر ہو کر خلیفہ کے خلاف فیصلہ کر رہا ہے۔ (۱۱) ایک وقت وہ ہے کہ جب خلیفہ اعلان کر رہا ہے کہ خبردار اگر کسی نے مجھے '' اِتَّقِ اللّٰہَ '' کہنے کی جسارت کی، اور اب تبدیلی کا یہ منظر بھی ہے کہ قاضی ابو یوسفؒ خلیفہ کی فرمائش پر ''کتاب الخراج'' رقم فرماتے ہیں تو اس میں پہلے خلیفہ کو پند و نصائح سے نوازتے ہیں، (۱۲) اور پھر محاصل کے پورے نظام کو اس اسلوب میں بیان کرتے ہیں جس میں حکومت کا مقصد ہی یہ ٹھہرتا ہے کہ وہ مفادِ عامہ اور لوگوں کی سہولت کو ہر نفع پر ترجیح دے۔

رفاہی ریاست اور فقہ حنفی کے اصول و مبادی

فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شریعتِ اسلامیہ کا محور پانچ امور ہیں۔ یہ امور انسان کا نفس، دین، عقل، مال اور نسل ہیں۔ (۱۳) انسان کی دنیاوی اور اخروی حیات اور اس کی بقا کا دار و مدار انہیں پانچ چیزوں پر ہیں۔ اس لئے ان پانچ امور کے مصالح و مفاسد کا حصول و دفعیہ ہی اسلامی قانون کا مقصد ہے جسے فقہاء کی اصطلاح میں ''مقاصد شریعہ'' کہا جاتا ہے۔ فقہاء نے اسلامی احکام کے دینی مقاصد و مصالح کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا ہے۔ اسلام کا پورا نظام چونکہ انسانی فطرت کے موافق ہے جس کا منطقی تقاضا یہ ہے کہ اسلام کے اجتہادی اصول بھی فطرت کے قریب تر ہوں، اسی سے انسان کے لئے آسانی اور سہولت کا امکان پیدا ہوگا۔ اس نقطۂ نظر سے اگر فقہ حنفی کے ان اجتہادی اصول و قواعد کا جائزہ لیا جائے جن کا تعلق رفاہی ریاست کے قیام سے ہے تو صاف محسوس کیا جا سکتا ہے کہ

ان میں انسانی ضروریات وحاجات کوملحوظ رکھتے ہوئے سہولت اور آسانی کے پہلو کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

دیگر ائمہ کی نسبت امام ابوحنیفہؒ نے فقہ کی جو تعریف کی ہے اس میں زیادہ وسعت اور گہرائی ہے۔ امام صاحبؒ نے اپنی فقہ کی بنیاد" معرفة النفس مالها وما عليها"(۱۴) پر رکھی ہے۔ اس تعریف کی رو سے امام ابوحنیفہؒ کے وضع کردہ اصول وقواعد صرف انسان کے ظاہری افعال تک محدود نہیں ہیں بلکہ اس میں عبادات، معاملات اور مناکحات وغیرہ سے آگے بڑھ کر انسان کے نفسیاتی، اعتقادی، سیاسی اور بین الاقوامی امور تک شامل ہیں۔ فقہ حنفی کی یہی وسعت اور جامعیت اس کی مقبولیت کا سبب ہے، یہی وجہ ہے کہ تاریخ اسلام میں حکومت خواہ کسی بھی مسلک سے متعلق رہی ہو، احکامِ سلطانیہ اور سیاسی امور کی انجام دہی میں عموماً حنفی فقہ ہی کی پیروی کی جاتی رہی ہے۔

عرف وتعامل کا اصول

ہماری رائے میں فقہ حنفی کے وہ تمام اصول وقواعد جن کا تعلق معاشرتی زندگی سے ہے وہ رفاہی ریاست کے قیام کے بھی بنیادی اصول ہیں۔ کیونکہ انسان کی معاشرتی زندگی کے تحفظ کے بغیر رفاہی ریاست کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ فقہ حنفی میں معاشرتی زندگی میں رسم ورواج، ضرورت وحاجات اور اجتماعی مفادات کے ساتھ ایک حد تک ہر انسان کے قول وفعل کو بھی قانونی تحفظ دیا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے عرف اور تعامل کو بھی احکام کی بنیاد قرار دیا، یہی وجہ ہے کہ حنفی اصولوں کے تحت حلال وحرام میں ترمیم سے بچتے ہوئے حتی الامکان عامة الناس کے معاملات کو درست قرار دیا گیا ہے بلکہ ان امور میں اس وقت تک عوام کی موافقت کی جائے گی جب تک ان کی ممانعت پر کوئی شرعی دلیل متحقق نہ ہو۔ عرف وتعامل کے اعتبار سے جہاں احناف کے ہاں بہت سے معاشرتی مسائل حل ہوتے ہیں ، وہاں اس سے انسانی قدروں کے احترام کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ اس سے انسان کے بطور انسان ، مسلمان ہو یا کافر، عالم ہو یا جاہل کے قول وفعل کو تحفظ اور مجموعی انسانی معاشرے کو معاشرتی امور میں ایک طرح سے مقنن کا درجہ حاصل ہوجاتا ہے۔

احترامِ انسانیت کا اصول

احترامِ انسانیت حنفی فقہ کا ایک اہم اصول ہے، اور فقہ حنفی میں بہت سے اہم فیصلوں کی بنیاد محض احترام انسانیت ہے۔ مثلاً: آزاد عورت کے مہر کے مسئلے میں دیگر ائمہ کے برعکس امام ابوحنیفہؒ کا خصوصی مؤقف یہ ہے کہ اس کے مہر کا گراں قدر ہونا شرعی حق ہے جس میں کسی انسان کو بلکہ خود عورت کو بھی مداخلت کا اختیار نہیں۔ یہ بھی فقہ حنفی

ہی کا اصول ہے :"لارضا مع الاضرار "، لہٰذا کسی ولی یا خود عورت کو یہ اختیار نہیں کہ وہ بغیر مہر، یا شرعی مقدار سے کم، یا مہر میں مال کے بغیر کسی اور شرط پر نکاح کر سکے۔ اسی اصول کی بنا پر فقہ حنفی میں چوری میں قطع ید کو بھی ایک حد تک گراں قدر مال کی چوری سے مشروط کیا گیا ہے، احترام انسانیت کے اسی اصول کی بنیاد پر فقہ حنفی میں معمولی چیز کی چوری پر قطع ید کی ممانعت کی گئی ہے۔(۱۵) انسانی اکرام و احترام کو دستور قرار دیتے ہوئے امام صاحبؒ نے جہاد میں گھوڑے کی شرکت پر غنیمت میں سے گھوڑے کے لئے مجاہد کے مقابلے میں دوگنا حصے کی مخالفت کرتے ہوئے فرمایا کہ انسان کے مقابلے میں حیوان کو کسی بھی صورت میں اعزاز نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اس سے انسانی احترام و اکرام کا دستور متاثر ہوتا ہے۔(۱۶) انسانی احترام اور وقار کی پاسداری کو مغرب نے جو اہمیت آج دی ہے امام ابوحنیفہؒ نے تیرہ سو سال قبل ہی اس کی اہمیت واضح کر دی تھی۔

امام صاحبؒ کے مسلک کے مطابق امام ابو یوسفؒ (م۱۸۲ھ) زمینداری کی اس قسم کو حرام قرار دیتے ہیں کہ جس میں حکومت کاشتکاروں سے مال گزاری وصول کرنے کے لئے ایک شخص کو زمیندار بنا کر بٹھا دیتی ہے اور عملاً اسے یہ اختیار دے دیتی ہے کہ حکومت کا لگان ادا کرنے کے بعد باقی جو کچھ چاہے اور جس طرح چاہے، کاشتکاروں سے وصول کیا جائے۔(۱۷) وہ کہتے ہیں کہ زمین کا عطیہ صرف اسی صورت میں جائز ہے جبکہ غیر آباد اور غیر مملوکہ زمین کو آباد کاری کی نیت سے معقول حد کے اندر دیا جائے۔ اس طرح کا عطیہ جس شخص کو دیا جائے اگر تین سال تک وہ شخص اس کو آباد نہ کرے تو اس سے واپس لے لینا چاہئے۔(۱۸) اگر زمینوں کی تقسیم کے اس ایک اصول کو ہی اپنا لیا جائے تو نہ صرف جاگیرداری نظام کو لگام دی جاسکتی ہے بلکہ اس نظام سے وابستہ بہت سی خرابیوں پر بھی قابو پایا جاسکتا ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ فقہ حنفی دراصل انسان کے فطری تقاضوں اور ضروریات کی مدون شکل ہے اور ظاہر ہے کہ جو دستور فطری تقاضوں اور ضروریات سے ہم آہنگ ہوگا، وہی دنیا میں شائع ہوتا ہے اور باقی رہتا ہے۔

اسلامی رفاہی ریاست اور اقلیتیں

اسلامی ریاست صرف مسلمانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ اقلیتوں کے لئے بھی ایک مکمل رفاہی ریاست ہے۔ حنفی دستور کے مطابق اقلیتوں کو جو رعایتیں اور حقوق اسلامی حکومت میں حاصل ہیں وہ آزادی کے اس موجودہ دور میں بھی شاید کو ہر جگہ میسر نہ ہوں۔ شراب و سور، جو مسلمانوں کے نزدیک حرام ہیں لیکن اگر کوئی مسلمان اپنے ذمی بھائی کی ان چیزوں کو تلف کر دے تو حاکم اس پر جرمانہ عائد کرے گا، فقہ حنفی کی معتبر کتاب ھدایہ میں ہے:

واذا اتلف المسلم خمراً لذمی أو حنزیرہ ضمن فان اتلفھما لمسلم لم یضمن "(۱۹)

''اگر کسی مسلمان نے ذمی کی شراب یا سور کا نقصان کر دیا تو اسے تاوان دینا ہوگا اور اگر یہ چیزیں کسی مسلمان کی تھیں تو پھر نہیں۔''

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ذمی دارالاسلام کا شہری بن جائے تو اب اس کی جان و مال بالکل محفوظ ہوگئے۔احناف کے ہاں'' النفس بالنفس'' کے قرآنی حکم کو اصول کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے،(۲۰) جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک مسلمان قاتل کو غیر مسلم (حربی) کے عوض قتل نہیں کیا جائے گا۔(۲۱)فقہ حنفی کے مطابق ذمی ہر قسم کی تجارت میں بالکل آزاد ہیں جس طرح مسلمانوں سے مال تجارت پر زکوۃ وصول کی جاتی ہے اسی طرح ذمیوں سے بھی ٹیکس وصول کیا جائے گا۔(۲۲) اگر ذمی اپنے دینی مسائل اور عقائد میں باہمی نزاع یا اختلاف کریں تو ان سے تعرض نہ کیا جائے گا،وہ جانیں اور ان کا کام،ان کو اپنے حقوق کا مقدمہ اپنے حاکموں کے پاس لیجانے سے نہ روکا جائے گا۔ہاں،اگر وہ اسلامی عدالتوں کی طرف رجوع کریں گے تو اس کا فیصلہ دستور اسلامی کی روشنی میں کیا جائے گا۔امام صاحبؒ فرماتے ہیں اگر ذمی خفیہ طور پر بغاوت کا عزم رکھتے ہوں یا فرقہ وارانہ فساد مچاتے ہوں یا اپنی کوئی سیاسی جماعت تشکیل دے رہے ہوں تو وہ پھر عہدِ ذمہ سے خارج ہوجائیں گے۔ان میں سے جو شخص نقضِ عہد کرے یا قانون کی خلاف ورزی کرے تو اس کو دارالاسلام سے نکال دیا جائے گا۔اس کے علاوہ اگر وہ کسی مسلمان عورت سے زنا کر بیٹھیں یا مسلمان کو کفر کی تبلیغ کریں یا جاسوسی کریں تو ان کو سخت ترین سزا تو دی جاسکتی ہے مگر حقوق شہریت سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔(۲۳) دیگر مذاہب کے مقابلے میں امام صاحبؒ نے ذمیوں کے لئے جو دستور مرتب فرمایا ہے اس میں انہوں نے فیاضی سے زیادہ کام لیا ہے۔غرضیکہ اسلامی حکومت میں ذمی ایک باعزت شہری کی طرح ہیں۔یہی وجہ ہے اسلامی دورِ حکومت میں غیر مسلم کثیر تعداد میں اپنی حکومتوں سے منتقل ہوکر مسلمان حاکم کی رعایا بننے پر فخر محسوس کرتے تھے۔اسلامی ریاست کی غیر مسلم رعایا کے لئے امام ابو یوسفؒ (م۱۸۲ھ) نے حضرت عمرؓ کے حوالہ سے تین اصول ذکر فرمائے ہیں،جن کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

۱۔ جو عہد بھی ان سے کیا گیا ہو،اسے پورا کیا جائے۔
۲۔ ملک کے دفاع کی ذمہ داری ان پر نہیں مسلمانوں پر ہے۔
۳۔ ان کی طاقت سے زیادہ ان پر جزیہ اور خراج کا بوجھ نہ ڈالا جائے۔

پھر وہ فرماتے ہیں کہ مسکین، بوڑھے، راہب، عبادت گاہوں کے کارکن، عورتیں، بچے جزیہ سے مستثنیٰ ہیں۔ذمیوں کے اموال،مواشی وغیرہ پر کوئی زکوۃ نہیں ہے۔ذمیوں سے جزیہ وصول کرنے میں مار پیٹ وغیرہ سے

کام لینا جائز نہیں ہے۔ معذور اور محتاج ذمیوں کی پرورش حکومت کے خزانہ سے ہونی چاہئے۔(۲۴)

حنفی قضاۃ کے فیصلے اور فتاویٰ / فقہ حنفی میں ارتقاء

تمدن کا مسلسل ارتقاء اس امر کا متقاضی ہے کہ قانون سازی کے عمل میں بھی تسلسل قائم رہے۔ فقہائے احناف نے فقہ حنفی کے اصول وقواعد کی روشنی میں حالات اور زمانے کی رعایت اور عرف کی تبدیلی سے ہر دور میں پیش آمدہ مسائل کا حل پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ خود مسلم حکمرانوں کو آئے روز جن قانونی موشگافیوں سے واسطہ پڑتا رہتا تھا اس کی بنا پر انھوں نے جدید فتاویٰ کے مرتب کرنے میں ہمیشہ فقہاء کی حوصلہ افزائی کی۔ اس حوالے سے عباسی عہدِ خلافت کی عدالتی تاریخ اور نامور علماء کے فتاویٰ پر تنقیدی نظر ڈالنے سے اس دور میں فقہ حنفی میں ہونے والے ارتقائی سفر کو سمجھا جا سکتا ہے، اور ان فیصلوں اور فتاویٰ میں مفادِ عامہ کا جو تحفظ کیا گیا ہے اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

عباسی خلافت کی طرح برّصغیر میں بھی فقہ حنفی ہی بطور قانون نافذ رہی ہے اس لئے برّصغیر کے مسلم حکمرانوں کی تمام رفاہی کوششوں کے پیچھے بھی دراصل حنفی قانون ہی کو دیکھا جانا چاہیے۔ فقہ حنفی کی جدید تدوین میں برّصغیر کے مسلم حکمرانوں کا کردار بھی خصوصی دلچسپی کا موضوع ہے۔ غیاث الدین بلبن (۶۶۴۔۶۸۶ھ) نے ایک مجموعۂ فتاویٰ مرتب کروایا جو اس دور کی عدالتی ضروریات کو پوری کر سکے، یہ ''فتاویٰ غیاثیہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ جلال الدین خلجی (۶۸۸۔۶۹۰ھ) نے ''فتاویٰ قراخانی''، سلطان محمد تغلق (م ۷۹۵ھ) کے عہد میں اس کے وزیر امیر تاتارخان کی توجہ سے شیخ فریدالدین عالم بن علاء (م ۷۸۶ھ) نے ''فتاویٰ تاتارخانیہ'' مرتب کیا۔ قاضی احمد بن محمد نظام الدین جونپوری نے جونپور کے سلطان ابراہیم شرقی (۸۰۴۔۸۴۴ھ) کی فرمائش پر ''فتاویٰ ابراہیم شاہی'' مرتب کیا۔ ظہیر الدین بابر (۸۸۸۔۸۸۹ھ) کے اصرار پر شیخ نورالدین خوافی نے ایک فتاویٰ مرتب کیا، یہ مجموعہ ''فتاویٰ بابری'' کے نام سے مشہور ہے۔ بعد ازاں اورنگ زیب (۱۰۶۸۔۱۱۱۸ھ) نے علم فتاویٰ کو بامِ عروج تک پہنچا دیا۔ انہوں نے شیخ نظام الدین برہان پوریؒ کی سربراہی میں اٹھائیس (۲۸) نامور فقہاء پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی، جس نے تقریباً آٹھ سال کے عرصہ میں عربی زبان میں ایک فتاویٰ مرتب کیا جو ''فتاویٰ عالمگیری'' کے نام سے متداول ہے۔ برّصغیر کے حکمرانوں کا طرزِ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی نظر میں شریعت کی سب سے بہتر اور قابل عمل تعبیر وہی ہے جو فقہاء احناف نے کی ہے۔

بدقسمتی سے علم الفتاویٰ کا یہ ارتقائی سفر ہندوستان پر انگریز کے قبضہ کے بعد رک گیا اور اس کی جگہ انگریزی

قانون نے لے لی، اگرچہ انگریزی دور میں حنفی دستور کا ریاستی امور سے عمل دخل ختم ہوگیا لیکن اس کے باوجود عامۃ الناس ہر دور میں اپنے روز مرہ معاشرتی مسائل کے علاوہ سیاسی معاملات میں راہنمائی کے لئے علماء کی طرف ہی دیکھتے تھے۔ چنانچہ دورِ غلامی میں مرتب ہونے والے فتاویٰ میں بھی سیاسی امور کے بارے نئے حالات و واقعات کے تناظر میں حنفی علماء کی اجتہادی آراء کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ اس حوالے سے ''فتاویٰ عزیزی'' از شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ، ''فتاویٰ رضویہ'' از مولانا احمد رضا خان بریلویؒ (م ١٩٢١ھ) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ہمارے دینی مدارس میں فقہ حنفی کے جو متون زیر تدریس ہیں ان میں ابوالحسن بن احمد بن محمد بن جعفر المعروف امام القدوریؒ (م ٤٢٨ھ) کی کتاب ''مختصر القدوری''، ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانیؒ (م ٥٩٣ھ) کی ''الھدایۃ''، امام عبداللہ صدر الشریعہؒ (م ٧٤٧ھ) کی ''شرح الوقایۃ''، اور ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفیؒ (م ٧١٠ھ) کی ''کنز الدقائق'' وغیرہ قابلِ ذکر ہیں، ان کتابوں میں فقہ حنفی کے ارتقاء کی یہ پوری تاریخ ظاہر ہے کہ موجود نہیں، جس کی وجہ سے فقہ حنفی میں حالات کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کی جو صلاحیت ہے وہ واضح نہیں ہو پا رہی۔

آخر میں یہ گذارش کرنا چاہوں گا کہ مغرب کو ہماری نماز، روزے اور حج وغیرہ جیسی عبادات سے قطعاً اختلاف نہیں ہے بلکہ اہلِ مغرب اسلام کی سیاسی واپسی اور خلافت کے احیاء سے خوف زدہ ہے اور اسلام کے سیاسی نظام کے خلاف ان کے ہاتھ میں پروپیگنڈا کے لئے جو مواد ہے اس کا بنیادی مأخذ ہمارا قدیم فقہی ذخیرہ ہے، جس کو بنیاد بنا کر ان کے لئے یہ کہنا آسان ہو جاتا کہ اگر سیاسی اسلام کی واپسی ہوئی تو عورتوں کو لونڈیاں بنا لیا جائے گا، غیر مسلموں کو اسلامی ریاست میں ذمی کی حیثیت سے جزیہ ادا کر کے مخصوص لباس پہن کر ذلت آمیز زندگی گزارنا ہوگی، غیر مسلموں کو اسلام پر مجبور کیا جائے گا، اور ان کو اپنی عبادت گاہوں کی تعمیر کی اجازت نہ ہوگی، آزادیٔ اظہارِ رائے پر پابندی ہوگی بلکہ ایسے شخص کو مرتد قرار دے کر قتل کر دیا جائے گا، جہادی کلچر پروان چڑھے گا اور دنیا لا متناہی جنگوں کی آماجگاہ بن جائے گی۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم مغرب کے خدشات اور تحفظات کو سمجھیں اور امام ابوحنیفہؒ کے سیاسی وژن کو بروئے کار لاتے ہوئے جدید اسلامی اور رفاہی ریاست کے خدوخال کو اس انداز میں واضح کریں کہ اسلام کے سیاسی نظام کی برکات نمایاں ہو کر سامنے آجائیں۔ ہماری رائے میں امام ابوحنیفہؒ کے قائم کردہ اصولوں کو جدید تناظر میں برتنے کی ضرورت ہے، اور اجتہادی بصیرت کو بروئے کار لاتے ہوئے فقہائے امت کے فقہی تفردات سے بھی فائدہ اٹھایا جانا چاہیے۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) سورۃ الحج ۴۱:۲۲،

(۲) گیلانی، مناظر احسن، مولانا (۱۸۹۲ـ۱۹۵۶ء)، حضرت امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی، (ناشر نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۳ء)، ص، ۴۴

(۳) الکردی، حافظ الدین، الامام، (م ۸۲۸ھ)، مناقب ابی حنیفہ، (ناشر دارالکتاب العربی، بیروت، لبنان، ۱۹۸۱ء)، ۲۹۶/۲

(۴) الموفق بن احمد المکی، مناقب ابی حنیفہ، (ناشر دارالکتاب العربی، بیروت، لبنان، ۱۹۸۱ء)، ۱۹۱/۱

(۵) حضرت امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی، ص:۳۴۴

(۶) ایضاً، ص:۱۷۱

(۷) ایضاً، ص:۱۵۱، ۳۴۳

(۸) الشعرانی، ابوالمواہب عبدالوہاب بن احمد بن علی بن احمد (م ۹۷۳ھ)، المیزان الکبری الشعرانیہ، (دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۸ء)، ۵۲/۱

(۹) مناقب ابی حنیفہ، ۳۵۵/۲

(۱۰) حضرت امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی، ص، ۵۴ـ۵۵،

(۱۱) مصدر نفسہ، ص، ۵۰۲

(۱۲) ابویوسف، یعقوب بن ابراہیم، قاضی، (م ۱۱۳ـ۱۸۲ھ)، کتاب الخراج، (مطبع وسن ندارد)، ص، ۳

(۱۳) الشاطبی، ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ (م ۷۹۰ھ)، الموافقات فی اصول الاحکام، (المطبعۃ السّلفیہ، بمصر، ۱۳۴۱ھ)، ۱۵/۱

(۱۴) صدر الشریعہ، عبیداللہ بن مسعود (م ۷۴۷ھ)، التوضیح مع التلویح، (نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۴۰۰ء)، ۲۲/۱

(۱۵) المرغینانی، ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی، (۵۱۱ـ۵۹۳ھ)، الھدایۃ، (مکتبہ البشری، کراچی، ۲۰۰۷ء)، کتاب الحدود، باب مایقطع فیہ ومالا یقطع، ۱۴۱/۴

(۱۶) المرجع السابق، کتاب السیر، باب الغنائم وقسمتها، فصل فی کیفیة القسمة،۴/۲۳۲

(۱۷) کتاب الخراج، ص:۱۱۴

(۱۸) الهدایة،، کتاب احیاء الموات، ۷/۲۵۴

(۱۹) المرجع السابق، کتاب الغصب، فصل فی غصب ما لایتقوم،۶/۵۲۳

(۲۰) المرجع السابق، کتاب الجنایات، باب مایوجب القصاص ومالا یوجبه، ۸/۱۲

(۲۱) المرجع السابق، ۸/۱۳

(۲۲) کتاب الخراج، فصل فیمن تجب علیه الجزیة، ص۱۳۳

(۲۳) ایضاً، ص:۱۹۴،۲۰۵

(۲۴) ایضاً، ص،۱۳۲

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆